رجسٹر نمبر اے ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
انجمن، علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے
سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۴ | یکم جون ۱۹۵۵ء | ایڈیٹر قاضی عبدالغفار | ۸ شوال ۱۳۷۴ھ | نمبر ۱۱

ہندی کمیشن

جن حضرات نے "جمہوریہ ہند کے دستور" کی ان دفعات کو ملاحظہ فرمایا ہے جو زبان کے مسئلے سے تعلق رکھتی ہیں انہیں یاد ہوگا کہ دفعہ ۳۴۳ نے ہندی زبان کو دیوناگری رسم خط میں مرکزی حکومت کی سرکاری زبان قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کی اجازت دی تھی کہ ۱۵ برس تک حسب ضرورت انگریزی سے کام لیا جائے۔ ظاہر ہے اس میں یہ مصلحت تھی کہ یکبارگی سرکاری زبان کے بدل دینے سے ابتری پھیلے۔ تبدیلی آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے پر عمل میں لانا مقصود تھا اس بات کی جانچ کے لئے کہ یہ تبدیلی حسب منشا ہو رہی ہے یا نہیں ہدایت کی گئی تھی کہ دستور کے نفاذ کے پانچ برس بعد اور پھر دس برس بعد صدر جمہوریہ ایک کمیشن مقرر کریں جو صورت حال کا جائزہ لے۔ جنوری ۵۵ء میں دستور کے نفاذ کو پانچ سال پورے ہو چکے تھے اس لئے پچھلے تین مہینے سے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر کمیشن کے تقرر کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ حکومت کی طرف سے بار بار کہا جاتا تھا کہ کمیشن بہت جلد مقرر ہو رہا ہے۔ آخر مئی کو لوک سبھا میں ہوم منسٹر پنڈت پنت نے یہ اعلان کیا کہ بی جی کھیر صاحب کو جو دو بار ریاست بمبئی کے چیف منسٹر اور پھر لندن میں ہائی کمشنر رہ چکے ہیں۔ ہندی کمیشن کا چیرمین نامزد کر دیا گیا ہے اور بہت جلد کمیشن کے باضابطہ تقرر کا حدود تحقیقات کا اعلان کر دیا جائے گا۔

پنت جی نے فرمایا کہ کمیشن اپنی سفارشیں کرتے وقت ہندستان کی صنعتی، تہذیبی اور علمی ترقی کی مصلحتوں کو مد نظر رکھے گا اور اس کا بھی لحاظ رکھے گا کہ جن علاقوں کی مادری زبان ہندی نہیں ہے ان کے جائز حقوق اور مفاد سرکاری ملازمتوں کے سلسلے میں محفوظ رہیں موصوف نے یہ خیال ظاہر کیا کہ کمیشن کی حدود تحقیقات حسب ذیل ہوں گی۔

(۱) ہندی زبان کے استعمال کو مرکزی حکومت کے کل کاموں یا بعض کاموں میں رفتہ رفتہ بڑھانے کا مسئلہ۔

(۲) انگریزی زبان کے استعمال کو مرکزی حکومت کے کل کاموں یا بعض کاموں میں رفتہ رفتہ کم کرنے کا مسئلہ۔

(۳) یہ سوال کہ جن کاموں کا ذکر دستور کی دفعہ ۳۴۸ میں ہے ان کے لئے کون سی زبان استعمال کی جائے۔

(۴) یہ سوال کہ مرکزی حکومت کے کسی ایک یا ایک سے زیادہ کاموں کے لئے کون سے ہندسے استعمال کئے جائیں۔

(۵) ایک نقشہ اوقات مقرر کرنا جس کے مطابق مرکزی حکومت کی زبان کی حیثیت سے اور مرکزی حکومت اور ریاستوں یا ایک ریاست اور دوسری ریاست کے درمیان ذریعہ مراسلت کی حیثیت سے انگریزی کی جگہ ہندی زبان کا استعمال کیا جائے۔

ہم اس کمیشن کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں ان حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے جو پچھلے پانچ سال میں پیش آئے ہیں، کمیشن کے حدود تحقیقات کو اس سے زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت

ہے۔ پچھلے زمانے میں سب سے زیادہ ہنگامہ خیز مسئلہ لسانی ریاستوں کا بن گیا ہے۔ جس کے سلسلے میں فساد اور بد امنی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر اس مسئلے کو جلد مناسب طریقے سے حل نہ کیا گیا تو ملک کے امن و اتحاد کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ یوں تو اس مسئلے پر لسانی ریاستوں کا کمیشن غور کر رہا ہے جس کی رپورٹ جلد شائع ہونے والی ہے لیکن اس کا ایک اہم پہلو ہے جو در اصل ہندی کمیشن کے غور کرنے کا ہے لسانی ریاستوں کے معاملے میں سب سے بڑی پیچیدگی یہ ہے کہ کہ ان کی حدود جو بھی قرار دی جائیں۔ بہر حال، ہر ریاست کے اندر لسانی اقلیتیں ضرور ہوں گی۔ بدقسمتی سے ان اقلیتوں کو یہ اندیشہ ہے کہ لسانی ریاستوں میں ان کے معاشی اور سیاسی حقوق کے ساتھ ساتھ تہذیبی حقوق بھی پامال ہوں گے۔ ان کے سامنے ان ریاستوں کی مثال موجود ہے جن کی زبان ہندی قرار دی گئی ہے۔ اور جن کی لسانی اقلیتیں نالاں ہیں کہ ان کے ساتھ "نیائے" نہیں بلکہ "ٹھکرائی" کی جاتی ہے۔ اگر ہندی کمیشن کے کاموں میں یہ کام بھی شامل کر دیا جائے کہ وہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دینے والی ریاستوں میں لسانی اقلیتوں کی جائز شکایتوں پر غور کر کے انہیں دور کرنے کی تدابیر بتائے تو لسانی ریاستوں کے کمیشن کی رپورٹ پر غور کرتے وقت حکومت کو مناسب فیصلے کرنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

ہلکے ہلکے اشارے

لسانی تحقیقات کے سلسلے میں ہمارے ملک میں عجیب عجیب لطائف و ظرائف سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ آیئے آپ کو ایک نئی چیز سنائیں:-

"جب تک کوئی ودوان یہ فیصلہ نہ کرے کہ سنسکرت میں کون سے لفظ آریہ بھاشا کے ہیں اور کون سے دراوڑی اور دوسری بولیوں کے، تب تک یہ فیصلہ بھی نہیں ہوتا کہ کھڑی بولی میں کتنے لفظ دراوڑی اور کتنے آریہ بھاشا کے ہیں۔ آواز گرامر کے حساب سے کھڑی بولی صاف دراوڑی زبان ہے اسے آریہ بھاشا کہنا نادانی ہے ...... مجھے کوئی مدراسی بولی نہیں آتی اور نہ مجھے اصل دراوڑی زبان کا علم ہے۔ اس لئے میرے پاس ایک ہی ناپ رہ جاتا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ کھڑی بولی دراوڑی زیادہ ہے یا تامل۔ یہ ناپ ہے "ڑ" ...... میرے خیال میں جتنے لفظ عام گھروں کی کھڑی بولی میں "ڑ" والے ہیں اور کسی بولی میں نہیں"

ہم اب تک یہ سمجھتے تھے کہ کھڑی بولی آریائی خاندان یا دراوڑی خاندان سے ہونے اور اس قسم کے دوسرے سوالات کا فیصلہ کرنے کے لئے نئے سرے سے ہندوستان کا لسانی جائزہ لئے جانے کی ضرورت ہے جس میں بڑے بڑے ماہرین کو برسوں سرکھپانے کی ضرورت ہوگی۔ معلوم ہوا کہ طرح طرح کے اعداد و شمار کے جھگڑے بکھیڑے الجھیڑے ماہرین لسانیات کی ٹیڑھی میڑھی بحثیں غرض لسانی جائزے کی ساری گڑبڑ شروع ہو سکتا ہے صرف "ڑ" والے لفظوں کو گن لینے سے پتہ چل جائے گا کہ کھڑی بولی کس حد تک دراوڑ سے تعلق رکھتی ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں تامل ناد کے دیونا تھن صاحب یہ رزولیوشن پیش کرنے والے ہیں کہ انگریزی کی جگہ ہندی کو مرکزی حکومت کی زبان بنانے کی انتہائی مدت ۱۵ برس سے بڑھا کر ۳۰ برس کر دی جائے۔

رزولیوشن تو خیر نامنظور ہو ہی جائے گا اور ہونا بھی چاہیے لیکن الجھن کی بات یہ ہے کہ دیونا تھن صاحب کو ان کے نام اور مقام کے باوجود پاکستانی کیونکر ثابت کیا جائے۔

یاد ش بخیر، شری پرشوتم داس ٹنڈن نے ضلع دیوریہ کے ہندی ساہتیہ سمیلن کے ساتویں سالانہ جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہندی کا سوال صرف ادبی نہیں قومی ہے"

ہماری گزارش ہے کہ ہندی کے سوال کو اگر صرف ادبی رکھا جائے سیاسی نہ بنایا جائے تو وہ متفقہ طور پر قومی بن جائے گا اور اس سوال کو اٹھانے والے اگر صرف ادیب ہوں سیاسی نہ ہوں تو یہ یقیناً قومی وحدت کی بنیاد بن جائے گا۔

پنجاب کے ان اضلاع کو جن میں پنجابی زبان بولی جاتی ہے ایک الگ لسانی ریاست بنانے کے سوال نے ایک مدت سے فساد برپا کر رکھا ہے۔ سکھوں کا ایک گروہ پنجابی ریاست کے حق میں ہے۔ لیکن دوسرا گروہ پنجاب کی مزید تقسیم کی مخالفت کر رہا ہے۔ حال میں بابا کھڑک سنگھ نے جو نہ صرف سکھ جماعت بلکہ ملک کے محترم لیڈر ہیں ایک نہایت عمدہ بیان میں سکھوں کو تلقین کی ہے کہ پنجابی ریاست کے مطالبے کو ترک کر دیں۔ لیکن

اس بیان میں ایک بات ہمیں بہت کھٹکی۔ بابا صاحب نے فرمایا ہے کوئی وجہ نہیں کہ پنجاب میں پنجابی زبان کو ایک علاقائی زبان کی حیثیت سے قبول نہ کیا جائے۔

شاید بابا صاحب کو معلوم نہیں کہ علاقائی زبان کا کیا [illegible] بے معنی ایک اسم ہے سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ وہ پنجابی کو علاقائی زبان بنانے کا مطالبہ کرنے کے بجائے صرف یہ کہتے کہ پنجابی زبان میں درخواست دینے کا حق دیا جائے۔

اردو کی مخالفت کیوں؟

(مسٹر ہیرا لال ورما۔ لکھنؤ)

حال ہی میں مرکزی وزیر داخلہ شری پنت نے پنجاب میں ایک جلسے میں کہا ہے کہ تمام علاقائی زبانوں کو بڑھنے اور ترقی کرنے کا پورا موقع دیا جائے گا۔ اس سے ان لوگوں کی بہت بہت افزائی ہوئی جو اردو کی ترقی کے لئے اتر پردیش میں جد و جہد کر رہے ہیں، آزادی ملنے اور ہندی کو سرکاری زبان قرار دیئے جانے کے بعد اس صوبہ کے بعض ذمہ دار لوگوں کی تحریروں اور تقریروں سے ان کے اس مفروضہ اندیشہ کا اظہار ہوتا تھا کہ اگر اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا گیا اور اسے ترقی کا موقع دیا گیا تو اس سے ہندی کی ترقی میں رکاوٹ پڑے گی۔ یہ کہنا غیر ضروری سا ہے کہ اس اندیشہ کی بنیاد محض جذبات ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ یہ لوگ جذبات کی رو میں اتنا بہ گئے تھے کہ اردو کے نام ہی سے ان کو وحشت ہوتی تھی۔

ایک صاحب نے جو اتر پردیش کی حکومت میں بہت ہی ذمہ دار عہدہ پر ہیں کئی مرتبہ اپنی تقریروں میں کہا کہ "اردو کوئی زبان نہیں ہے" اس زمانے میں تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کہ اظہار خیال کا وہ طاقتور ذریعہ جس کی آبپاشی دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار اور برج نرائن چکبست نے کی تھی مٹ جائے گا۔ لیکن اس وقت ایک کمزور اور نحیف انسان اپنے ساتھ پرجوش اور پرخلوص کارکنوں کو لیکر اٹھا تاکہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا بھانڈا پھوڑ دیا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ اردو اتر پردیش کی ایک باقاعدہ علاقائی زبان ہے۔ اس ہستی یعنی شری کرشن پرشاد کول نے حالانکہ ان کی تندرستی جواب دے رہی تھی، ایک لاثانی کارنامہ انجام دیا۔ انہی کی قیادت میں یہ طے کیا گیا کہ صدر جمہوریہ کی خدمت میں یہ درخواست دی جائے کہ وہ اپنے اس اختیار کی رو سے جو دستور میں انھیں دیا گیا ہے اردو کو یوپی ریاست کی علاقائی زبان تسلیم کریں۔ اس مقصد سے ایک مہم شروع ہو گئی کہ اس درخواست پر یوپی سے ۲۰ لاکھ باشندوں کے دستخط حاصل کئے جائیں۔

یہ مہم جنوری ۱۹۵۳ء سے شروع کی گئی اور جولائی ۱۹۵۴ء میں تکمیل کو پہونچ گئی۔ بیس لاکھ دستخطوں کے فارموں کا وزن چودہ من ہوتا تھا اور ان فارموں کو اگر ایک کے اوپر ایک رکھا جائے تو چالیس فٹ بلند مینار بن جائے اور اگر لمبائی میں پھیلا دیا جائے تو ڈیڑھ میل تک سلسلہ چلا جائے جس کی چوڑائی ۸ انچ ہو۔ ان فارموں پر ۲۲،۹۲،۳۷۵ باشندوں کے دستخط ہیں۔ ہر بالغ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے گھر میں اردو پڑھنے اور جاننے والے نابالغ کتنے ہیں اور اگر ان کی تعداد بھی جوڑ دی جائے تو تعداد ۴۴،۰۳،۰۰۰ ہوتی ہے

اس تاریخی درخواست کو لے کر جو وفد گیا اس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین تھے اور ممبر پنڈت کرشن پرشاد کول، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، پنڈت دتاتریہ کیفی، پنڈت سندر لال، شری کرشن چندر، شریمتی اندرا نہرو، پروفیسر مسعود حسن رضوی، قاضی عبد الغفار، مولانا حفظ الرحمن، قاضی عدیل احمد عباسی، شری حیات اللہ انصاری اور بیگم سلطانہ حیات۔

اس درخواست پر ابھی تک صدر نے کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا۔ لیکن اتر پردیش کی حکومت کے رویہ میں کافی تبدیلی ہو گئی ہے اس نے ایک گشتی کے ذریعے یہ حکم دے دیا ہے کہ اگر کسی بیسک اسکول میں ایسے بچوں کی تعداد چالیس یا اس سے زیادہ ہو جو اردو کو اپنی مادری زبان مانتے ہوں تو ان کو اردو ہی میں ابتدائی تعلیم دی جائے اس حکم میں کچھ خامیاں رہیں۔ لیکن ان کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ بیسک سے نکل کر جونیئر ہائی اسکول میں جاتا ہے اس میں صرف ایک اختیاری مضمون ہے۔ اب طالب علم انگریزی یا اردو لے سکتا ہے۔ حالانکہ انگریزی کی اتنی مخالفت ہو رہی ہے لیکن پھر بھی ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا بچہ کچھ انگریزی ضرور سیکھ لے۔ حد یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جو انگریزی کی بیرونی زبان کہہ کر مذمت کر دیتے ہیں اور اس معاملے میں آگے آگے ہیں، ان کو اگر اپنے بچوں کو آکسفورڈ یا کیمبرج بھیجنے کا موقع ملے تو وہ اسی پیش کش کو قبول کر لیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا کے سرپرست اردو کے بجائے انگریزی کو ترجیح دینے پر مجبور ہیں۔

پھر جب یہ طالب علم ہائی اسکول میں پہونچے گا تو اس لائق بھی نہ ہوگا کہ اردو کی تعلیم جاری رکھ سکے۔ یہ دشواری دور ہو سکتی ہے۔ اگر طالب علم کے لئے جونیئر اسکول میں دو اختیاری مضمون کر دیئے جائیں۔

ابھی حال میں حکومت اتر پردیش کی طرف سے بجٹ پیش کرتے ہوئے وزیر مالیات نے اردو کے نازک مسئلہ پر بہبودانہ روشنی ڈالی ہے اور اردو کی درخواستیں سرکاری دفتروں میں قبول کی جائیں گی، لیکن جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے ان پر سرکاری افسروں کا کوئی اثر نہیں، جب تک ہائی کورٹ اپنے قواعد نہیں بدلتی ہے۔ عدالتوں کے دستور میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر حکومت سے ابھی تک ہائی کورٹ کو اس سلسلے میں اطلاع نہ دی ہو تو اب یہ کارروائی ہو جانا چاہئے۔

میں توقع کرتا ہوں کہ اتر پردیش کے پڑھے لکھے لوگوں میں اردو کی طرف سے جو غلط فہمیاں ہیں کہ اردو کی ترقی سے ہماری قومی زبان ہندی کو نقصان پہونچے گا وہ جلد ہی دور ہو جائیں گی اور وہ اردو کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ بنیں گے۔

پاکستان میں اردو کا حشر

ہندوستان میں معصوم و بے گناہ اور قابل قدر اردو زبان کے ساتھ جو سلوک سرکاری۔ نیم سرکاری (یعنی کانگریسیوں) اور ہندو پبلک کی طرف سے کیا جا رہا ہے اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ پچیس برس کے بعد ہمارے ملک میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اردو پڑھ سکیں گے۔ حالانکہ یہ زبان نہ پاکستان قائم کرنے والوں میں سے تھی۔ نہ یہ ہجرت کر کے کھوکھرا پار گئی اور اس نے اب تک کبھی کوئی ایسا قدم اٹھایا جسے حب الوطنی کے خلاف قرار دیا جائے۔

پاکستان میں بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے جس کی صرف غنڈوں ہی سے توقع کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ تازہ اطلاع کے مطابق ڈھاکہ کے چند ایک پرستاران اردو نے ایک مشاعرہ کا انتظام کیا اور اس مشاعرہ میں شامل ہونے کے لئے ہندوستان اور مغربی پاکستان سے اردو کے نامور شعرا شامل ہوئے مگر جب مشاعرہ شروع ہونے والا تھا تو ہزارہا بنگالی نوجوان مشاعرہ ہال سے باہر جمع ہو گئے۔ انھوں نے اردو زبان کی توہین کرنے والے نعرے بلند کئے۔ مشاعرہ ہال میں جانے والے تمام راستے بند کر دیئے پولیس نے مظاہرہ کرنے والوں پر لاٹھی چارج بھی کیا۔ مگر مشاعرہ نہ ہو سکا اور بنگالیوں نے صاف طور طور سے کہا کہ وہ اردو زبان کو بنگال میں رائج نہ ہونے دیں گے۔

اردو زبان کے ساتھ کیا جا رہا یہ شرمناک سلوک اس ڈھاکہ میں ہوا جہاں پاکستان کے بانی مرحوم مسٹر محمد علی جناح نے صاف کھلے اور غیر مبہم الفاظ میں کہا تھا کہ پاکستان کی قومی و سرکاری زبان اردو ہوگی۔ چنانچہ سوال یہ ہے کہ اگر مشرقی پاکستان (جس کی آبادی مغربی پاکستان سے زیادہ ہے) میں بھی اردو زبان کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے اور سندھیوں۔ بلوچیوں اور سرحدیوں کے دلوں کو ٹٹولا جائے تو وہ بھی اپنے صوبہ جات کی زبانوں پر اردو کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں تو پھر کیا یہ توقع کرنا اپنے ذہن کو دھوکا دینا نہیں کہ آئندہ ایک صدی تک یہ زبان دنیا کے کسی حصہ میں بھی زندہ رہے گی۔

ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کے پرستاران اردو کو اس مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے ہوئے اس زبان کو زندہ رکھنے کے وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ با اثر حضرات کے ڈیپوٹیشن پنڈت نہرو اور مسٹر غلام محمد کو اردو زبان کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کے لئے مجبور کریں۔

(ریاست دہلی)

صوبہ دہلی، اردو اور پرجا سوشلسٹ پارٹی

پرجا سوشلسٹ پارٹی کی انتظامیہ کمیٹی نے اپنے ایک رزولیوشن میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کے آئین کی دفعہ ۳۴۳ اور ۳۴۷ کے مطابق اردو زبان کو دہلی کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔

پرجا سوشلسٹ پارٹی کے اس قدم کی تعریف کی جانی چاہئے مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ رزولیوشن دہلی کی اس گورنمنٹ اور اسمبلی پر اثر انداز ہو سکتا ہے جس کے ممبروں کی زیادہ تعداد اردو کے دشمنوں کی ہو۔ چنانچہ یہ منظر کس قدر دردناک ہے کہ اردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی۔ دہلی میں اس کی پرورش کی گئی۔ دہلی میں اسکو شباب نصیب ہوا اور اب دہلی کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے علاوہ شرنارتھی بھی یہ زبان ہی بولتے ہیں۔ مگر اس یہاں سے کھوکھرا پار بھیجنے کی تجویزیں ہیں اور یہ تجویزیں قومی آئین کی بے حرمتی کرتے ہوئے قومی زبان یعنی ہندی کے نام پر کی جا رہی ہیں۔

اردو زبان کو دہلی۔ یو۔ پی اور پنجاب میں زندہ رکھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک زبردست اور ناقابل تسخیر آئینی ایجی ٹیشن کے ذریعہ مرکزی گورنمنٹ کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس زبان کو ان تین صوبوں میں بطور ایک علاقائی زبان کے زندہ رکھے۔ حامیان اردو ہندی زبان کے دشمن نہیں۔ یہ ہندی کی مخالفت کو قوم و ملک کے ساتھ غداری سمجھتے ہیں۔ اور یہ چاہتے صرف یہ ہیں کہ اردو کو بھی ان تین صوبہ جات میں ایک علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے۔ کیونکہ ان تین صوبہ جات میں اردو پڑھنے بولنے اور جاننے والوں کی اکثریت ہے۔

جوابی امور کے لئے دو آنے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔ (منیجر)

علی گڑھ کی ایک یادگار مجلس

یادِ شعلہ ——— از پرشیوری پرشاد ماتھر ایم۔ اے

۲۲ اپریل کی پرکیف رات علی گڑھ کی ادبی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ جب منشی تیواری لال صاحب شعلہ مرحوم کی یاد میں ایک خالص ادبی مجلس سورگ باشی بابو سوہن لال صاحب رئیس علی گڑھ کے مکان محلہ قاضی گویاں میں ہوئی جس کی صدارت مولانا خیر بہوروی صاحب نائب معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے فرمائی اور صدارت کے اہم فرائض کی ایک مثال قائم کر دی۔

صدر مجلس استقبالیہ شہر کے مشہور اور لائق وکیل بابو بھگوان بہاری لال صاحب ایڈوکیٹ نے منشی تیواری لال شعلہ کو شردھانجلی اور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:۔

صدر محترم! شعرائے خوش فکر و معزز حاضرین جلسہ!

آپ کی تشریف آوری کا دلی خیر مقدم کرتا ہوں

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

آپ حضرات کا آج دلی خیر مقدم کرتے ہوئے میں فخر اور بے انتہا مسرت محسوس کرتا ہوں۔ فخر اس وجہ سے ہے کہ آپ جیسے علم و ادب کے دوستوں نے تکلیف فرما کر غریب خانہ پر تشریف لانے کی زحمت کی۔

مسرت اس وجہ سے ہے کہ منشی تیواری لال شعلہ کی یاد میں یہ ادبی محفل منعقد کر کے ہم نے رجحان طبع علم و ادب کو قائم رکھنے کی طرف کیا ہے۔

فی زمانہ یوں تو ہر شخص ۹۹ کے پھیر میں ہے اور حرص و ہوا طمع و انتقام سیاسی و مذہبی تعصبات کا دل و دماغ پر قبضہ ہو گیا ہے اور ہمارا زاویہ نگاہ بدل گیا ہے اور زندگی کا حاصل ہم نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے۔ کہ پیدا ہوئے۔ روزی کمائی کھایا اور چلے گئے۔ ہم کو اس کا احساس ہی نہیں ہے کہ جس منزل پر پہنچنا ہے اور جو مسافت طے کرنی ہے اس کا راہ پرخطر اور دشوار گزار ہے۔ حالانکہ ہمارے بزرگ اور ملک کے علماء ماسٹر کی کٹھنائیوں کے سب راز بتا گئے ہیں۔ کھوٹ ہمارا ہی ہے جو ہم راہ سے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہماری زندگی صحیح معنی میں زندگی نہیں ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی منزل تک عزت کے ساتھ بہ آسانی پہنچ سکیں تو یقیناً ہم کو ٹھیک ٹھیک ان ہدایتوں پر عمل کرنا چاہئے جو ہمارے بزرگوں نے بتائے ہیں۔ حافظ نے کہا ہے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

حضرات آپ نے شعلے بہت سے دیکھے ہوں گے مثلاً ایک شعلہ وہ تھا جو طور پر چمکا تھا اور حضرت موسیٰ غش کھا کر گر پڑے تھے۔

ایک شعلہ وہ بھی ہے جو شمع محفل سے نکلتا ہے۔ لیکن جس شعلہ کی یاد آج منائی جا رہی ہے وہ شعلہ علم و ادب کا شعلہ تھا۔ ان کا اسم گرامی منشی تیواری لال تھا اور شعلہ تخلص تھا۔ وہ میری برادری کے رکن صرف اس وجہ سے نہیں تھے کہ کایستھ تھے۔ بلکہ علی گڑھ کے نامی وکیل کی حیثیت سے بھی ہماری برادری میں شامل تھے۔ ان کا اصلی وطن جعفرا رتھا۔ ان کے والد بزرگوار منشی موتی لال عظیم نگر سہارنپور میں سرکاری ملازم تھے تمام خاندان علم دوست تھا جن کی زیادہ تر تصانیف فارسی میں ہیں شعلہ کو کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان کے والد کی وفات کے باعث خاندان منتشر ہو گیا اور فکر خانہ داری سر پر آ پڑی۔ تعجب ہے کہ بلا اکتساب علم کتابی کے بھی اس قدر جواہرات ان کے یہاں موجود ہیں۔

مرحوم بچپن سے شعر کہتے تھے مگر چھپاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک برات میں سکندرہ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت مرزا گوپال تفتہ زندہ تھے جب رسم غزل خوانی شروع ہوئی۔ جو درحقیقت لڑکوں کی تعلیم کا امتحان ہوتا تھا۔ تو تفتہ صاحب نے اپنا دیوان منگوا کر پڑھوایا دوسرے ہم عمر لڑکے اس کو ٹھیک نہ پڑھ سکے مگر شعلہ صاحب نے اس کو ایسا پڑھا کہ جس کا اثر مرزا تفتہ صاحب پر ہوا اور انھوں نے خوش ہو کر وہ دیوان ان کو انعام میں دے دیا اور کہا "پوت کے پاؤں پالنے میں دیکھتے ہیں" معلوم ہوتا ہے تم اچھے شاعر ہو گے۔

مرحوم کا دیوان موسوم بہ "ارمغان شعلہ" لندن سے چھپ کر اب خاص میں موجود ہے۔ شاعرانہ تخیل کے لحاظ سے شعلہ مرحوم کی پرواز سادگی کے ساتھ ساتھ بلند تھی ؎

ہے گلشن حیات کا بے اعتبار رنگ

ٹھہرے گا کتنی دیر یہ ناپائیدار رنگ۔

شعلہ ہو کے بھی ہیں عناصر جدا جدا
کیا خوب ایک پانی میں گھولے ہیں چار رنگ

شعلہ اپنے مذہبی خیالات اور عقائد میں بھی اپنا آپ جواب تھے۔ ایک نظم میں آخری وقت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

دم رخصت ہو گھر والوں نے گھیرا — کھڑا ہو سب لدا اسباب میرا
ہجوم اہل ماتم ہوں سرہانے — عزیز و اقربا خویش و بیگانے
کسی کو ایک دو دم کی انتظاری — کسی کے دل میں ہو فکر سواری
میرے ہمکام باہم بٹ رہے ہوں — اٹھانے والے کیا ہی چھٹ رہے ہوں
غرض سامان رخصت جب ہو تیار — چلے جان اجل میں آکے تکرار
اسے تعجیل ہو حکم قضا کی — اسے ہو ڈھیل عرض مدعا کی
وہ کھینچی ہو کہ آگے دہر کے نکلوں — یہ کہتی ہو کہ درشن کر کے نکلوں
پڑا جھگڑا ہو کچھ آپس میں بھاری — وہ کیا بس کہ تمھاری انتظاری
نظر آ جائے چھب بانکی ادا کی — مندیں آنکھیں تو ہو چھب بانکی ادا کی
تصور رشتہ جاں میں جکڑ لوں — چھٹے تب نبض جب دامن پکڑ لوں
جب آئے آنکھ میں دم پران پیارے — لگا ہو دھیان چرنوں میں تمھارے
دبی ہو دھیان جس کو میں دکھاؤں — دبی جھانکی ہو جس کو میں بتاؤں
کدم کی چھاؤں ہو جمنا کا تٹ ہو — ادھر مرلی ہو ماتھے پر مکٹ ہو

کھڑے ہوں آپ اک بانکی ادا سے
مکٹ جھونکوں میں ہو موج ہوا سے

شعلہ صاحب نے رباعی بھی نظم کی ہے۔

حضرات! شعلہ مرحوم کا دیوان پڑھنے کے بعد ہی ان کی نفس کی پاکی ان کا خلوص اور ان کی سچی انسان دوستی کا پتہ چل سکتا ہے۔

سنہ ۱۹۵۷ء ہولی کے بعد دو دن کے روز شام کو ان کی طبیعت ناساز ہوئی۔ علاج ہوا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آٹھ دس یوم کی علالت کے بعد یکایک ایک روز وہ ایک چارپائی پر آ کر بیٹھ گئے اور حقہ منھ سے لگا لیا۔ ابھی ایک ہی دو کش لئے تھے کہ دم الجھ گیا۔ اور انھیں کا شعر دہرانا پڑا۔

کاندھوں پہ جو دھر کے لے چلے ہو تابوت
او پیا دوں سوار جا چکا ہے کب کا

بڑی بڑی آنکھیں جو زندگی میں سرخ رہتی تھیں اور جن پر نشے کا گمان ہوتا تھا۔ کھلی تھیں اور سفید۔ اور غالباً ان کی وہ آخری تمنا کہ

"کھلی رہ جائیں خود آنکھیں مکٹ پر"

پوری ہو گئی تھی۔

حضرات! شعلہ صاحب کے حالات بتلانے میں میں نے آپ کا کافی وقت لے لیا ہے۔ اب نہایت ہی ادب کے ساتھ جناب شعلہ کو شردھانجلی اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک بار اور آپ سب صاحبان کا پھر دل سے خیر مقدم کرتا ہوں اور پروردگار عالم سے دعا کرتا ہوں کہ علم و ادب کی ایسی مجلسوں کے انعقاد اور اس میں شرکت کا جلد جلد موقع عنایت فرمایئے۔

اجلاس کا افتتاح ادب دوست ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ جناب اے۔ بی۔ ماتھر صاحب نے کیا اور فرمایا۔

حضرات!

کسی جلسہ یا مشاعرہ کا افتتاح بھی ایک رسم بن گیا ہے اور خصوصاً علی گڑھ کی علمی و ادبی مرکزیت کے پیش نظر اس رسم کو ملک کے بڑے بڑے وزیر، لیڈر اور افسران ادا کرتے رہتے ہیں لیکن اس آئینہ میں جب میں اپنی تصویر دیکھتا ہوں تو نہ لیڈر ہوں نہ وزیر۔ پھر بھی مجھ سے یہ خدمت لی جا رہی ہے۔

حضرات! آج جس بزرگ کی یاد منائی جا رہی ہے وہ بلا شبہ بلند پایہ شاعر تھے اور اعلیٰ کردار کے انسان تھے جو بیک وقت کرشن بھگت تھے تو دوسری طرف محمد صاحب کے بھی فدائی تھے شاعر چونکہ قوم اور ملک کا سرمایہ ہوتا ہے اور ہم سب اس کے سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے بلا امتیاز مذہب و ملت شاعر کا احترام ایک فرض ہے چاہے وہ کسی بھی زبان کا شاعر ہو۔

بائرن اور شیلے نے بھی ہم کو بہت کچھ بخشا ہے۔ اور ہم ان سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ پھر اپنے دیش کے ان بزرگوں کے سرمایہ سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں جن کے افکار نے ہمارے لٹریچر کو مالا مال کر دیا ہے۔

منشی بنواری لال صاحب شعلہ مرحوم کا لستھ خاندان کے ایک لائق فرزند تھے۔ اس رشتے کی مناسبت سے مرحوم کی آتما کو خراج عقیدت پیش کرنا ضروری ہے۔ یہی جذبہ میرے دل میں کارفرما تھا جو میں نے آج کی بڑی ذمہ داری قبول کی۔ اس سلسلے میں میں بھگوان بہاری لال صاحب اور پرشوری پرشاد صاحب اور نوتن کرپی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھ کو یہ عزت بخشی اور دنیا کی فکروں سے چند گھنٹوں کے لئے آزاد کر کے ایک ایسی زندہ قوم کے افراد میں شامل کر دیا جو اپنے بزرگوں کو نہیں بھلاتی۔ جو لوگ اپنے بزرگوں کو بھلا دیتے ہیں آنے والی نسلیں انھیں بھی یاد نہیں رکھتی ہیں۔ اس لئے میں بزم شعلہ کے تمام اراکین کو مبارکباد دیتا ہوں جنھوں نے ان کے جلائے ہوئے چراغ سے روشنی حاصل کرنے کی ایک راہ پیدا کی ہے ایک بار اور آپ صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بزم کا افتتاح کرتے ہوئے جناب صدر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بزم کے دوسرے پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں۔

صدر انجمن ترقی اردو علی گڑھ شہر حکیم آنند سروپ لسیل صاحب نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے شعلہ مرحوم کی خصوصیات شاعری

اور ان کے مذہبی خیالات پر روشنی ڈالی اور ایک نظم پڑھی جس کے کئی بند بہت پسند کئے گئے۔

ذوقی کریمی صاحب جنرل سکریٹری اردو کانفرنس علی گڑھ نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا "حضرت شعلہ باکمال شاعر کے ساتھ ساتھ باکمال انسان بھی تھے۔ ہماری معاشرتی اور تمدنی زندگی کے لئے اس طرح کے جلسے نہایت ضروری ہیں۔"

انجمن ترقی پسند مصنفین کے رکن صاحب سنگھ صاحب مہرا نے خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ

"اس قسم کے اجتماعات سے ہمارے خیالات میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ شعلہ مرحوم کے کلام کی اشاعت ادب کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اس کے بغور مطالعہ سے سوسائٹی کی بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی۔"

جرنلسٹ ایسوسی ایشن کے ڈپٹی سکریٹری ہردت شنو ترپاٹھی بی۔ اے نے شعلہ مرحوم کو شردھانجلی دی اور گرم گرم الفاظ میں کہا "شعلہ کی بہترین یادیہ ہوگی کہ ہم یہاں سے قسم کھا کر اٹھیں کہ ان کا ایک شعر ضرور یاد کریں گے۔ اس طرح ہم شعلہ کے مفید کلام کو حوادثات سے بچا لیں گے۔"

شعلہ کی شاعری میں زندگی کو سنوارنے کے جو گر بتائے گئے ہیں ان کا مطالعہ ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔

بوڑھے نیشنلسٹ اور قومی کارکن حافظ محمد عثمان صاحب نے اپنی تقریر میں شعلہ مرحوم کو عقیدت کے پھول پیش کئے اور فرمایا۔

"شعلہ مرحوم کی مذہبی شاعری کا مطالعہ ہم کو بہت سی گمراہیوں سے بچا سکتا ہے اور یہی ان کی زندگی کی عظمت ہے جو ہر شاعر کی قسمت میں نہیں ہے"

راجہ صاحب پنڈراول جناب شمیم نے خراج عقیدت پیش کیا اور کہا۔

"بڑے آدمیوں کی ہر بات بڑی اور لائق تقلید ہوتی ہے شعلہ مرحوم بڑے شاعر اور بڑے آدمی تھے۔ ان کا کلام اور ان کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔"

مشاعرے کا آغاز جناب شعلہ کی ایک غزل سے ہوا جس کا یہ مصرعہ "اک خواب سا ہے طور کا افسانہ آج کل" طرح کے لئے دیا گیا تھا۔ غزل رنجیت بابو جوہری وکیل نے خاص دھن میں والہانہ انداز سے پڑھ کر سنائی۔

طرحی کلام سنانے سے پہلے بالالتزام ہر شاعر نے شعلہ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا اور شعلہ کی مناسبت اور رعایت کے اچھے اچھے شعر سننے میں آئے۔

طرحی غزل کے چند اشعار

کرتا ہوں۔

آنند سروپ بسمل

زاہد سے کچھ بچی تو گئی محتسب کے گھر ۔ باقی جو ہے کرامت میخانہ آجکل

بسمل انصاری

دل ہو گیا کہیں ہے جلوہ جانانہ آجکل ۔ کعبہ بنا ہوا ہے صنم خانہ آجکل
ہے دل شکستہ محفل رندانہ آجکل ۔ ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و پیمانہ آجکل

ادم پرکاش نکہت

کچھ کھو کے پا گیا ہے کچھ پا کے ہر خوشی ۔ ہشیار ہو گیا ہے جو دیوانہ آجکل

تمنا مجنوری

ساقی بقید فرقت سبو کش عنایتیں ۔ سوا یونہی ہے مشرب رندانہ آجکل
بار پھر جنوں تو آزاد ہے سلسلے سے ہو ۔ کچھ آ چلا ہے ہوش سا میں دیوانہ آجکل
ہے عافیت اسی میں کہ اٹھتا ہے قدم ۔ منزل پہ رک سکوں کی تمنا نہ آجکل

شوکت علی حیرت

شیشہ نگاہ میں ہے نہ پیمانہ آجکل ۔ کچھ اور ہی ہے مشرب رندانہ آجکل

دیال سنگھ دیال

کہتے ہیں لوگ وحشی و دیوانہ آجکل ۔ پھیلا ہے خلق میں میرا افسانہ آجکل

سعید بریلوی

پرتو ہے قبا ہے چاک گریباں اڑے ہوا سا ۔ اس حال میں ہے آپ کا دیوانہ آجکل

عثمان

رندان بادہ نوش میں ہے اضطراب سا ۔ شاید کہ بند ہے در میخانہ آجکل
محو چمن میں تھا جو کبھی زینت چمن ۔ ہے بجلیوں کی زد میں وہ کاشانہ آجکل
ناقوس میں ہے نغمۂ اذاں بھی پکار دو ۔ پیر حرم ہے داخل بت خانہ آجکل

عرفان انصاری

بگڑی ہوئی ہے لغزش مستانہ آجکل ۔ یا بڑھ گئی ہے جرأت رندانہ آجکل

عونی

ساقی ذرا سنبھل کے رکھ تاج میکدہ ۔ بیدار سی ہے جرأت رندانہ آجکل
ساقی یہ سب بہار ترے دم قدم سے ہے ۔ دولھن بنا ہوا ہے جو میخانہ آجکل

ذوقی کریمی

اس بات پر جنون و خرد میں ہے اختلاف ۔ پہچانئے کہ کون ہے دیوانہ آجکل
اب امتیاز شیخ و برہمن نہیں رہا ۔ ایسے ملے ہیں کعبہ و بتخانہ آجکل
اہل خرد بھی ذوقی ہیں مجبور التفات ۔ کیا بات کہہ رہا ہے یہ دیوانہ آجکل

فہمی

ہر سمت ہے بہار کا افسانہ آج کل ۔ زنداں میں رہ سکے گا نہ دیوانہ آجکل
مسجد میں پہلے شیخ نہ پہونچے تو کیا کرے ۔ کھلتا ہے دیر سے در میخانہ آجکل

قیس اترولوی

پھر دل فروز ہے غم جانانہ آجکل ۔ ہر ہر نفس ہے طور کا افسانہ آجکل

محمود آفندی علی گڑھ

چھایا ہوا ہے عالم امکاں پہ اک سکوت | چپ چپ سا ہے جو آپ کا دیوانہ آجکل
ذوق طلب پہ شیخ و برہمن ہیں ساتھ ساتھ | اک راہ پر ہے کعبہ و بتخانہ آجکل

مہیش بابو مہیش

کیسی چلی ہے باد مخالف یہ چار سو | غیر اپنا، اپنا بن گیا بیگانہ آجکل

فگار

محروم التفات ہے ویرانہ آجکل | کیا سو رہی ہے فطرت دیوانہ آجکل
پیر مغاں کا طرف نوازش نہ دیکھئے | آتی ہے کام جرأت رندانہ آجکل

نشاط مہروی

ہے مدعی کے ہاتھ میں پیمانہ آجکل | ساقی بھی ہے مروت بیگانہ آجکل
دنیا سمجھ رہی ہے کہ اب ہوش آگیا | کیا جانے کیوں خموش ہے دیوانہ آجکل

نیساں جیلانی

روتی ہے شمع بزم تو محفل اداس اداس | کیا سو گئی ہے غیرت پروانہ آجکل
موجود ہر طرح سے ہے جلوہ بھی طور بھی | لیکن نہیں ہے ذوق کلیمانہ آجکل

صدر مشاعرہ مولانا نیر بہروری صاحب کی سلوکی تقریر سے حاضرین بے حد محظوظ اور مسرور ہوئے۔ بالخصوص شگوفان کرشن سے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا۔ اس کا دلوں پر ایک خاص اثر پڑا اور اس کی لذت عرصے تک باقی رہے گی۔

اس مجلس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں ان شعرا نے بھی شرکت کی اور اپنا کلام سنایا جنہوں نے مشاعروں کی غیر موجودہ ترکیبوں کو دیکھ کر شاعروں کی شرکت سے توبہ کر لی ہے۔

قمر جلالوی صاحب نے بھی جو پاکستانی ہو گئے ہیں شرکت فرمائی اور نذر عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنا طرحی اور غیر طرحی کلام سنایا پہلے اردو سے متعلق ان کے قطعات سنئے پھر نذر عقیدت کے ساتھ طرحی غزل کے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

دیکھ کر انکار زنجاری کھلیں گے خود پسند
آتش اردو کا شعلہ ہو گیا حد سے بلند

خوشی ہے اپنوں سے ہم کو نہ رنج غیر سے ہے
حرم سے جتنا تعلق ہے اتنا دیر سے ہے
مگر یہ سن کے قمر خوش ہوئے علی گڑھ میں
ادب کا ذوق ہے اردو یہاں پہ خیر سے ہے

سب ہی چمن میں واقف افسانہ آجکل | سبزے کو بھی نہ جانئے بیگانہ آجکل
شاید کوئی فریب دیا ہے بہار نے | ورنہ چمن میں اور ترا دیوانہ آجکل
روکا خیال یار نے ورنہ یہ ہے بہار | زنجیر توڑ دیتا ہے دیوانہ آجکل
ساقی نگاہ بد سے بچائے رکھے خدا | کتنا حسین ہے ترا میخانہ آجکل

منظور علی فاروقی تمنا بجنوری نے خراج عقیدت میں جو نظم پڑھی تھی وہ بہت زیادہ پسند کی گئی۔ اس کے کچھ بند یہ ہیں۔

سنا تو کرتے تھے عرصہ سے نام شعلہ کا
بلند پایا ادب میں مقام شعلہ کا
ہے ایک درس عمل ہر پیام شعلہ کا
ادب کی روح رواں ہے کلام شعلہ کا
وہ کی ہے گلشن شعر و ادب میں گلکاری
کہ بلبلیں ہیں فدا اس پہ اور ہیں واری

جگائے روح کو جو وہ ہے اس کا طرز بیاں
کہ بولتا ہوا جادو ہے گویا سحر زباں
سخن شناس، سخن سنج، نکتہ رس، ہمہ داں
مرصع لفظ، مسجع عبارت دیواں
سجا ہوا ہے ہر اک لفظ جیسے گل بوٹا
کہیں بھی دامن فن ہاتھ سے نہیں چھوٹا

لطیف دلکش و شستہ کلام ہے سارا
محاورات و محاکات کا ہے اک دریا
ہے چست بندش الفاظ اور نشست بجا
مثال آپ ہے اپنی خود کلام اس کا
یہاں جو اہل ادب پر احسان اس نے فرمائے
دعا ہے آتما اس کی شانتی پائے

رحمت اللہ تیر کے اس قطعے نے اہل مشاعرہ سے دیر تک داد حاصل کیا۔

مذاق شعر نہ ذوق سخن ہے اے شعلہ!
گیا تو اور ہی رنگ چمن ہے اے شعلہ!
تری زباں کہ تھا جس پہ تجھ کو ناز کبھی
دکن میں آج غریب الوطن ہے اے شعلہ!

حکیم آنند سروپ صاحب بسمل کی نظم کے حسب ذیل بند بغور سنے گئے۔

اس نے وحدت سے کثرت کو کر دکھایا ادراک، ذات کل کا احدیت کا تھا قدیم دفتر خواں
کاشف اسرار راز وجود کن فکاں، دست قدرت سے تھا وہ خوشہ چین گلستاں
وہ نہ تھا قائل تصور ادعا کہ حسن دوام کا
ہے کلام شعلہ میں اونچا مقام اسلام کا
بانی اسلام کا تھا دل میں کتنا احترام، اس کے دیوان میں ملے گا دیکھو وہ بھی مقام
شوکت الفاظ سجدہ ریزوں کا احترام، مطلع اول میں دیکھیں آپ اسلوب کلام

افسوس ہے کہ بعض اصحاب کے قطعات اور طرحی دستیاب نہیں ہوئیں۔

خبریں

دہلی — گوپی چند نارنگ جو "تشکیل" ادبی سنگم، کے جائنٹ سکریٹری ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

ہماری زبان کے تازہ شمارے میں نثار احمد فاروقی صاحب کا ایک مضمون "اردو کا مسئلہ کیسے حل ہو" میں نے غور سے پڑھا۔ یہ مضمون ایک اہم سوال سامنے لاتا ہے۔ مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے گمبھیر مسئلوں پر غور کرنے کے لیے جو جزو نظر درکار ہے، مضمون نگار اس سے عاری ہیں۔ اردو زبان کے بنیادی حقائق سے بھی انھوں نے روگردانی فرمائی ہے۔ ایک ہی مضمون میں انھوں نے متضاد بیانات دے کر اپنے نظریہ کو خود ہی ناقابل قبول بنا دیا ہے۔ سب سے پہلے ان کا یہ بیان ملاحظہ ہو:۔

"یہ خیال کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اب تک باطل ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن اب اسے صحیح مان لینا چاہیے اگر مسلمانوں کی زبان نہیں تھی تو اب ہے۔ تاج محل بھی مسلمانوں کا ہے۔ قطب مینار بھی مسلمانوں کا ہے، جامع مسجد بھی مسلمانوں کی ہے۔ غالب اور میر بھی مسلمانوں کے ہیں، اقبال اور حالی بھی مسلمانوں کے ہیں۔"

اس طرح اردو کو مسلمانوں کی زبان بنا دینے کا مشورہ دینے کے بعد آگے چل کر وہ فرماتے ہیں۔

"اردو کا مسئلہ بس اردو کا مسئلہ ہے۔ متحدہ قومیت کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان کی سات سو سالہ عظیم الشان تہذیب کا مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ مسئلہ سیاست سے بھی دور ہے۔ مذہب سے بھی۔"

چشم ما روشن دل ما شاد! اس بیان سے کسے کلام ہو سکتا ہے کہ اردو زبان ہند ایرانی تہذیب کی بہترین وارث ہے۔ اس کے ایوان ادب کے تعمیر کاروں میں تمام ہندوستان کے اہل قلم شامل رہے ہیں اور جس طرح ہر زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اردو کا بھی کوئی مذہب نہیں۔ مضمون نگار کے اس بیان کی روشنی میں ان کے پہلے بیان پر غور کیجیے! جہاں وہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ اب "اردو کو مسلمانوں کی زبان" مان لینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایک جگہ وہ اردو کے مسئلے کو خاص مسلمانوں کا مسئلہ بنانے کی تلقین فرماتے ہیں اور دوسری جگہ اسے "مذہب" سیاست اور ہر قسم کے دوسرے رنگ سے الگ بتلا کر اسے متحدہ قومیت کا مسئلہ ٹھہراتے ہیں۔

اردو کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے مسائل پر گفتگو کرنے والے جب دقت نظر اور باریک بینی سے کام نہیں لیتے تو جذبات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ زیر غور مضمون میں بھی یہی نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ایسے اہم مسئلوں کا حل تلاش کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ جادہ اعتدال سے دور نہ ہو، ضبط اور توازن کو ہاتھ سے نہ دے اور سنجیدگی سے مسئلے کے ہر پہلو کو پرکھے۔ ورنہ شدت خلوص اسے بے راہ کر دے گی۔ میں صاحب مضمون کے صدق خلوص کا قائل ہوں لیکن چونکہ وہ جذبات کے ہاتھوں جوش میں بہہ گئے ہیں۔ ورنہ وہ ایسی باتیں نہ کہتے جو ناقابل عمل ہیں اور محض خیالی بن کے رہ گئی ہیں۔ مثال کے طور پر اردو کے سوال کا جو واحد حل انھوں نے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے۔

"اس وقت اردو کے سوال کو ایک عوامی تحریک کا رنگ دے دیا جائے۔ اسے اخباروں کے دفتروں اور مفکروں کے دماغوں سے نکال کر بازاروں میں آزادانہ چھوڑ دیا جائے۔"

ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ زبانوں کے مسئلے "بازاروں میں آزادانہ چھوڑ دینے" سے حل نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے باقاعدہ planning کی ضرورت ہوتی ہے۔ جد و جہد اور مسلسل کوشش کرنا پڑتی ہے۔ بحث و مشورہ کے بعد دستور بنانے پڑتے ہیں اور پھر اس لائحہ عمل پر باقاعدہ چلنا ہوتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ان سب امور سے باخبر ہے۔

صاحب مضمون کا بیان ہے کہ اردو کو ایسے "فاقہ کش" لوگوں کی ضرورت ہے جن کے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد نہ ہو۔ یہ درست ہے لیکن سر پھرے اور پاگل لوگ بھی تو درکار نہیں۔ وہ یا تو لفظی طوفان اٹھائیں گے یا پھر بے سر پیر کی باتیں کریں گے۔ اردو کو اس وقت باشعور اور ذی ہوش کارکنوں کی ضرورت ہے۔ جو ماضی کا احترام، حال کا شعور اور مستقبل کا احساس رکھتے ہوں۔ نہ ایسے لوگوں کی صرف بلند آہنگ دعوے کر سکیں یا جذبات کی راہ میں بے راہ ہو جائیں۔ بلاشبہ اردو کے کام کرنے والوں کے دل میں لگن ہونی چاہیے۔ اور ان کی دھن میں کمی نہ آئے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اردو کے سوال کو مسلمانوں تک محدود نہ کریں۔ نہ ہی اس کو مذہبی خانوں میں بانٹیں۔ اور نہ اردو کے سوال سے ہندوستان کے غیر مسلموں کا رشتہ توڑیں ورنہ اس سے اردو کے مفاد کو خطرہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ اردو کو اس وقت فلک شگاف نعروں یا شعلہ بیان تقریروں کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو باہمت ہوں، باشعور ہوں، مہاتما گاندھی کے اصولوں میں یقین رکھتے ہوں۔ جو حوصلہ اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اور باضابطہ طریقے سے اردو تحریک کی جد و جہد کو جاری رکھیں۔ ظاہر ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی چلائی ہوئی اردو تحریک کے پیش نظر یہی اصول ہیں۔

آخر میں میں آپ کی توجہ مضمون نگار کے ایک اور بیان کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ اردو ادبیات میں ہندوؤں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

رتن ناتھ سرشار اور برج نرائن چکبست بھی مسلمانوں کے ہیں۔ ہندوستان میں رہ کر مسلمان کی کس کس چیز سے دامن بچایا جا سکتا ہے۔ مسلمان کا مزاج تو ہندوستان کے ذرے ذرے میں مزاج بن چکا ہے۔

اصل میں وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ سے جو ہندایرانی تہذیب پیدا ہوئی ہے۔ اس نے کل ہندوستانی تمدن کو متاثر کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ جذبات سے الگ نہیں ہو سکے وہ ایسی بات کہہ گئے ہیں جو غلط بیانی کی حد تک جا پہنچی ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"آج مسلمان، مصوری میں، رقص میں، صناعی میں شعر و ادب میں، صنعت و حرفت میں، تجارت و معیشت میں، غرض زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو پر چھایا ہوا ہے۔"

اصل یہ ہے کہ ہندوستانی زندگی کے ہر شعبے میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمان شانہ بشانہ موجود ہیں۔ ایک دایاں بازو ہے تو دوسرا بایاں، اور یہ حقیقت ہندوستانی تہذیب کی بو قلمونی کی مظہر ہے لیکن ایسا کہنا کہ تمام شعبوں میں فلاں مذہب کے لوگ "چھائے ہوئے ہیں"، ہندوستانی تہذیب کی بنیادی کثرت و وحدت سے غفلت کا ثبوت دینا ہے۔ کوئی بھی باخبر ہندوستانی ایسے بیانات کو قابل ستائش نہیں ٹھہرائے گا۔

بھورونا نعیم الحق صاحب بھورودی سکریٹری مجلس استقبالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ دینی تعلیمی کانفرنس بھورونا ضلع بلیا کا اہم اجلاس ۳۰ مئی کو ہوگا جس میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب شرکت کریں گے۔ صدارت مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اڈیٹر معارف، اعظم گڑھ فرمائیں گے۔

ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی استاد ندوۃ العلما لکھنؤ اور مولانا ظہیر منقاحی بلیاوی نے بھی شرکت کا حتمی وعدہ فرمایا ہے۔

۳۰ مئی کو دن میں ادبی اجلاس، انعامی تقریری مقابلہ، علمی نمائش اور رات میں مشاعرہ ہوگا۔ حضرت نوح ناروی افتتاح فرمائیں گے اور صدارت جناب انور صابری صاحب کریں گے۔ نذیر بنارسی۔ واثق جون پوری۔ دل لکھنوی۔ شفیق الہ آبادی۔ قیصر الہ آبادی۔ سہیل ناروی جوہر بجنوری۔ قمر بنارسی۔ جگر ور کھپوری۔ ماہر بنارسی۔ فضا ابن فیضی۔ انجم مئوی۔ عارف عباسی بلیاوی۔ شوق بہرائچی اور دوسرے خوش فکر شعرائے کرام شریک مشاعرہ ہوں گے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کا پروگرام یہ ہے:۔

موصوف ۲۹ مئی کو مغل سرائے میں جمیعۃ علما کے زیر اہتمام ایک اجتماع میں تقریر فرمائیں گے اور ۳۰ مئی کو مغل سرائے سے بنارس آ کر چھوٹی لائن کے ذریعے ۸ بجے بنارس سے روانہ ہوں گے اور ۱۲ بجے دن میں بیلتھرا روڈ اسٹیشن (بھورونا) پہونچ جائیں گے۔ جہاں موصوف کا شاندار استقبال ہوگا۔

اسی ٹرین سے صدر جلسہ مولانا شاہ معین الدین صاحب بھی اعظم گڑھ سے تشریف لائیں گے اور مئو جنکشن سے مجاہد ملت کے ساتھ ہو جائیں گے۔ بنارس سے بیلتھرا روڈ تک بیچ کے اکثر اسٹیشنوں پر مجاہد ملت سے ملنے کے لئے لوگ موجود رہیں گے۔

مدراس وزیر اعلیٰ مدراس مسٹر کامراج نادر نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ہندی کو قومی زبان بنانے کے لئے آئین میں پندرہ برس کی جو مدت مقرر کی گئی ہے وہ بہت مختصر ہے اور اس میں اضافہ ہونا چاہئے۔

انھوں نے کہا کہ آئین کی تیاری کے وقت ایسا محسوس ہوا تھا کہ ہندی کو قومی زبان بنانے کے لئے پندرہ برس کی مدت کافی ہوگی لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ مدت بہت کم ہے۔

انھوں نے بتایا کہ اس مسئلے پر کانگریس ورکنگ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بریلم پور کے اجلاس پر غور کیا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے حکومت ہند کی اس تجویز پر کہ اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے امتحانات میں ہندی کو بھی ایک مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس تجویز سے غیر ہندی علاقوں مثلاً جنوبی ہند اور بنگال میں رہنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور حکومت ہند سے اس مسئلے پر سرکاری پیمانے پر گفت و شنید کی جائے گی۔

مسٹر نادر نے کہا کہ ملک کے مفاد کے پیش نظر موجودہ لسانی جھگڑوں کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہندی بولنے والوں کی تعداد

ہندوستان میں یوپی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ہندی زبان کو سرکاری بنایا۔ لیکن ایک تازہ رپورٹ کے مطابق اس صوبے کے کم از کم آٹھ اضلاع ایسے ہیں جن میں ہندی بولنے والوں کی اکثریت نہیں ٹیہری گڑھوال کے چاروں اطراف میں ہندی بولنے والے اضلاع ہیں لیکن اس ضلع کے اندر ایک شخص بھی ہندی نہیں بولتا۔ رام پور ٹیہری گڑھوال کے متصل ہے اس میں صرف ۱۲۰۰ اشخاص ہندی بولتے ہیں۔ ٹیہری گڑھوال اور رام پور ہندوستانی ریاستیں تھیں جو یوپی میں مدغم ہو گئیں۔ بریلی میں ہندی بولنے والوں کا تناسب قریب ۳ فی صد۔ نینی تال میں ۲۲، مراد آباد میں ۲۰، میرٹھ میں ۵۴ اور دیرہ دون میں ۹ فی صد ہے۔

نئی کتابیں

مشعل

جنوبی ہند کے مشہور مقام وانم باڑی کے اسلامیہ کالج میگزین کا خاص نمبر ہے جس کے مضامین تصویروں کے علاوہ ۲۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

رسالے کی چھپائی، مضامین کی ترتیب اور اعلیٰ قسم کے کاغذ کو دیکھ کر کالج کے اساتذہ، طلبا اور کالج کے منتظمین کی اعلیٰ علمی اور ادبی خدمتوں کا سراغ ملتا ہے۔

اس قسم کے رسالے افسوس ہے کہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں سے بھی شائع نہیں ہوتے جہاں ہر قسم کی سہولتیں ہوتی ہیں۔ کالج کے صدر مسٹر انور جو قومی خدمت کا والہانہ ذوق رکھتے ہیں لائق مبارکباد ہیں، جو قوم کے بچوں کی صحیح ذہنی تربیت کے لئے ایسے رسالے کی اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

البلاغ تعلیمی نمبر

ماہنامہ رسالہ البلاغ نے جو دینی تعلیم اور بچے سے متعلق مفید معلومات بہم پہونچاتا رہتا ہے، اپنا تعلیمی نمبر شائع کیا ہے جس میں اسلامی تعلیم گاہوں اور دینی مدرسوں کے حالات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ مگر بہت سے مقامات کے اچھے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا ذکر سہواً رہ گیا ہے۔

رسالہ انجمن خدام النبی کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے جو عرصے سے مفید کام کر رہا ہے۔

سالانہ چندہ پانچ روپے اور تعلیمی نمبر کی قیمت تین روپے ہے محی الدین صاحب منیری ایڈیٹر سے انجمن خدام النبی صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی ۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر زور

کتاب کا نام ہے جس میں محمد بن عمر صاحب ایم۔ اے پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور کے متعلق سترہ مقالے اور آٹھ منظوم رائیں جمع کر کے شائع کی ہیں۔

زور صاحب کی تنقیدی اور ادبی تصانیف سے ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ناواقف نہیں ہے۔

کتاب ادارہ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے۔

(قیمت مجلد تین روپے۔ بلا جلد دو روپے)

تبلیغی دورے

سید ودود الحق صاحب ندوی کے مشرقی افریقہ کے تبلیغی سفر کا روزنامچہ ہے جس کو ادارہ تبلیغ الاسلام بمبئی نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ندوی صاحب نے تبلیغی اسباق بھی شائع کئے ہیں۔ جن میں مفید معلومات درج کئے گئے ہیں۔ مکمل سٹ کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے۔

نفیس دواخانہ محلہ چرجلیل لکھنؤ سے یا ۱۳۰۔ زکریا مسجد اسٹریٹ پہلا مالا بمبئی ۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اچھی نظمیں

ادارہ فروغ اردو لکھنؤ جیسا کہ اس سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ اردو کی اشاعت اور ترقی کے سلسلے میں بہت اچھا ٹھوس کام کر رہا ہے۔

اچھی نظمیں امجد مشتاق صاحب نے بچوں کے لئے لکھی ہیں جس کو ادارہ فروغ اردو نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

نظمیں زیادہ تر ان بچوں کے لئے مفید ہیں جن کے شعور میں بیداری کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔

پانچ آنے میں ادارہ فروغ اردو لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

راکھی

شجاعت علی صاحب سندیلوی۔ ایم۔ اے ریسرچ اسکالر رکن ادارہ تحریر فروغ اردو لکھنؤ کا لکھا ہوا یک ایکٹ کا اتحاد آفریں مختصر ڈرامہ ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو ہندو مسلم تعلقات کتنے شگفتہ پائیدار اور لائق رشک تھے

سندیلوی صاحب ایک خاص دلکش اسلوب نگارش کے مالک ہیں جو شہرت و ناموری کے جذبے سے بے نیاز ہو کر خاموشی طور پر اردو کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔

اس قسم کے اتحاد پرور تاریخی واقعات کی اشاعت صرف ادب و زبان ہی کی نہیں بلکہ ملک اور قوم کی بھی بہت بڑی خدمت ہے جس کے لئے سندیلوی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

امید ہے کہ سندیلوی صاحب اس سلسلے کی دوسری کڑیاں بھی جلد ہی پیش کریں گے۔

ملنے کا پتہ:۔ انوار بک ڈپو، لکھنؤ

قیمت چھ آنے

انجمن کی مطبوعات

حیات اجمل

اس کے مرتب قاضی محمد عبدالغفار صاحب ہیں۔ اس سوانحیات کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی صرف سوانح حیات ہی نہیں ہے بلکہ اس دور کی پوری سیاسی تحریکات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں حکیم صاحب مرحوم کے عظمت وکردار کا پتہ چلتا ہے

اس کتاب کی بڑی خوبی مصنف کے انداز بیان کی دلکشی بھی ہے جس کے متعلق بمبئی کے انگریزی اخبار بھارت جیوتی نے لکھا ہے۔

"قاضی محمد عبدالغفار نے جو اردو کے بہت بڑے عالم اور انشا پرداز ہیں۔ ایک عظیم الشان شخصیت کی سوانح حیات لکھ کر بڑی خدمت انجام دی ہے۔ یہ کتاب اس زمانے کی سیاسی انقلابات کی ایک مستند تاریخ ہے اور پر لطف اردو میں لکھی گئی ہے۔

(قیمت مجلد آٹھ روپے)

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گاندھی جی کے ساتھ اپنی ابتدائی سیاسی زندگی کا حال بہت دلچسپ پیرائے میں لکھ کر شائع کیا تھا۔ لیکن وہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں تھی اس لئے محترم صدر کی اجازت سے انجمن نے اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا ہے

طباعت بہترین ٹائپ کی ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ انجمن نے اس سے زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت کتاب ابھی تک کوئی اور شائع نہیں کی۔ فاضل سوانح نگار کے اعلیٰ مرتبے کا لحاظ کر کے انجمن نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قلم سے گاندھی جی کی تعلیمات کا یہ مطالعہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ اس قابل ہے کہ ملک کے ہر کتب خانے میں جگہ پائے۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر حصے کی قیمت پانچ روپے ہے اور مکمل سٹ کی قیمت۔

پندرہ روپے ہے

سیاسیات کے اصول

(حصہ اول، دوم، سوم)

پروفیسر ہارون خاں شروانی

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ سیاسیات کے اصولوں پر اردو زبان میں ایک مستند تالیف ہے جو اس موضوع کے ایک ممتاز ماہر کے قلم سے مرتب کی گئی ہے۔

کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں راج یا مملکت کے متعلق نظریات اور دوسرے میں حکومت کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی گئی ہے اور دنیا کے مختلف دستوروں پر خصوصاً اپنے ملک کے نئے جمہوری دستور سے مثالیں دے کر حکومت کے مختلف حصوں کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں بین الملکت کے اصول کی تاریخ اور اس کے موزوں روپ پر نظر ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں سات سو کے قریب سیاسی اور دوسری اصطلاحوں کی دو فرہنگیں بطور ضمیمہ کے منسلک ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب ایک بڑی کمی کو پورا کرتی ہے اور یقیناً وہ عام پڑھنے والوں اور طلبا دونوں کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت حصہ اول ، دوم اور سوم

۲/ روپے، ۲/۸ روپے ۸/۱۱ روپے

دھمپد

مہاتما بدھ کے تلقینات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ جو بدھ مت کی تعلیم کا بنیاد ہے۔ ترجمہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے کیا ہے جو ترجمے کے گر سے واقف ہیں اور جن کے ترجمے وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ (قیمت مجلد تین روپے)

ضروری اعلان

انجمن کے جنرل سکریٹری قاضی محمد عبدالغفار صاحب اتنے زیادہ علیل ہیں کہ ان کے نام کے خطوط یا کوئی دفتری کاغذ ان کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ازراہ کرم احباب اور انجمن سے تعلق رکھنے والے اصحاب کوئی خط قاضی صاحب کے نام نہ لکھیں بلکہ قائم مقام جنرل سکریٹری کے نام لکھیں

(منیجر)

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔